پروفیسر محمد اسلم

خوانِ پُر نعمت

مخدوم شرف الدین بن شیخ یحییٰ منیریؒ کا شمار امتِ مرحومہ کے ان مصلحین اور مجددین میں ہوتا ہے جنھوں نے مسلمانانِ پاک و ہند کی تاریخ و ثقافت میں اپنی سیرت و کردار کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

مخدوم کے مریدوں نے ان کے ملفوظات کے متعدد مجموعے مرتب کیے ہیں۔ اس وقت ان کے ملفوظات کا مجموعہ "خوانِ پُر نعمت" مرتبہ زین بدر عربی میرے پیشِ نظر ہے۔ یہ کتاب مطبع احمدی پٹنہ سے ۱۳۲۱ھ میں طبع ہو چکی ہے، لیکن اب اس کے مطبوعے نسخے بھی کم یاب ہو گئے ہیں۔

سینٹ زیویر سکول پٹنہ کے ایک آسٹریلین نژاد اُستاد فادر پال جیکسن "خوانِ پُر نعمت" کا فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ اس سے قبل وہ مخدوم صاحب کے مکتوباتِ صدی کا انگریزی میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ فادر پال جیکسن کے توجہ دلانے پر ہی میں نے اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ اب میں اس کتاب کا حاصلِ مطالعہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

صاحبِ ملفوظات

صاحبِ ملفوظات کا اصل نام احمد تھا، لیکن علمی و دینی حلقوں میں ان کی شہرت اپنے لقب مخدوم شرف الدین سے ہے۔ ان کے والد بزرگوار شیخ یحییٰ منیر کے رہنے والے تھے۔ مخدوم صاحب کا شجرۂ نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تایا اور کفیل زبیر بن عبد المطلب سے جا ملتا ہے[1]۔ ان کے پردادا مولانا محمد تاج فقیہؒ موضع الخلیل[2] (فلسطین) سے ترکِ سکونت کر کے منیر میں آ بسے۔ ان کی ہمت اور کاوش سے اس علاقے میں اسلام کی بہت اشاعت ہوئی۔ کچھ عرصے بعد مولانا محمد تاج فقیہ

---

[1] ابو الحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۳، ج ۳، ص ۱۷۷

[2] الخلیل کو حبرون بھی کہتے ہیں۔ پہلے یہ قصبہ اردن میں شامل تھا۔ ۱۹۶۷ میں اس پر اسرائیل نے قبضہ کر لیا۔ الخلیل میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کے مزارات ہیں۔

اپنے اہل خانہ کو منیر میں چھوڑ کر اپنے آبائی وطن کی طرف لوٹ گئے۔

مخدوم صاحب کے نانا حضرت شہاب الدین جگجوتؒ کاشغر کی سکونت ترک کر کے بہار چلے آئے اور پٹنہ کے قریب جھٹلی میں مقیم ہو گئے۔ ان کے دو نواسوں، مخدوم شرف الدینؒ اور شیخ احمد چرم پوشؒ نے دینی اور روحانی حلقوں میں بڑا نام پایا ہے۔ مخدوم شرف الدین ۶۶۰ھ (۱۲۶۳ء) میں ماہ شعبان کے آخری جمعہ کو منیر میں پیدا ہوئے[۵۳] ان کی ابتدائی تعلیم منیر میں ہوئی اور یہیں انھوں نے متوسطات تک نصابی کتب کا مطالعہ کیا۔ ایک بار برعظیم پاک و ہند کے نامور عالم دین مولانا شرف الدین ابو توامہؒ دہلی سے سنار گاؤں جاتے ہوئے منیر سے گزرے۔ مخدوم صاحب ان کی شخصیت اور علمیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے والد سے اجازت لے کر اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر ان کے ساتھ سنار گاؤں چلے گئے[۵۴] مولانا شرف الدین ابو توامہ کی نگرانی میں انھوں نے اپنی تعلیم مکمل کی۔ استاد نے ان کی استعداد اور خاندانی شرافت دیکھ کر اپنی بیٹی سے ان کا نکاح کر دیا۔ سنار گاؤں میں قیام کے دوران میں ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ذکی الدین تجویز ہوا۔

مخدوم صاحب اپنے والد کی علالت کے پیش نظر منیر واپس آئے اور ۱۱ شعبان ۶۹۰ھ (۱۲۹۱ء) کو شیخ یحییٰ فوت ہوئے۔ والد بزرگوار کی وفات کے بعد انھوں نے اپنا بیٹا اپنی والدہ ماجدہ کے سپرد کرتے ہوئے عرض کیا کہ وہ اسے ان کا بدل سمجھیں اور یہ سمجھ لیں کہ آج سے شرف الدین فوت ہو گیا ہے۔ والدہ صاحبہ سے اجازت اور دعائیں لے کر مخدوم صاحب دہلی روانہ ہوئے۔ دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاؒ اور پانی پت میں شرف الدین بو علی قلندرؒ سے ان کی ملاقاتیں ہوتی رہیں، لیکن جیسا مرشد وہ چاہتے تھے، ویسا نہ ملا۔ ایک دن مخدوم صاحب اپنے بھائی کے اصرار پر حضرت نجیب الدین فردوسیؒ کی زیارت کو گئے[۵۵] ان کی قیام گاہ کے قریب جاتے ہی ان کے پسینے چھوٹ گئے اور انھیں اس بات کا احساس ہو گیا کہ انھیں جس مرشد کی مدت سے تلاش تھی، وہ مل گیا ہے۔ مخدوم

---

۵۳ شیخ محمد اکرام نے آب کوثر میں ان کی تاریخ ولادت ۵ جولائی ۱۲۶۳ء لکھی ہے۔

۵۴ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء، ص ۴۹۹

۵۵ حضرت نجیب الدین فردوسیؒ مہرولی میں فردوسیہ پہاڑی پر دفن ہیں۔

صاحب نے حضرت نجیب الدین فردوسیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی اور مرشد نے انھیں اجازت نامہ دے کر بہار کی طرف رخصت کیا۔ حضرت نے چلتے وقت انھیں وصیت کی کہ اگر وہ راستے میں کوئی خبر سنیں تو واپس نہ لوٹیں۔ مخدوم صاحب ابھی دو منزل ہی گئے تھے کہ انھیں اپنے شیخ کی وفات کی اطلاع ملی۔ انھوں نے حسب ارشاد اپنا سفر جاری رکھا۔ مخدوم صاحب جب بہیا[۵۶] (ضلع آرہ) کے جنگل سے گزر رہے تھے تو ایک مور کی آواز سن کر ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ انھوں نے اپنا اجازت نامہ اور سامان اپنے بھائی کے سپرد کیا اور خود جنگل میں غائب ہو گئے۔ بارہ سال بہیا اور راج گیر کے جنگلوں میں جنگلی پھل اور درختوں کے پتے کھا کر گزارے۔ ایک بار چند لوگوں نے راج گیر کے جنگل میں ان کے مسکن کا کھوج لگا لیا اور وہ کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ان دنوں جنگل کا راستہ پُرخطر تھا، اس لیے مخدوم صاحب نے ان سے کہا کہ وہ ان کے پاس آنے کا خطرہ مول نہ لیا کریں، وہ خود جمعہ کے روز شہر چلے آیا کریں گے[۵۷]۔ پھر وہ ہر جمعے کو راج گیر جانے لگے۔ ان کے معتقدین نے ان کے آرام کے لیے ایک جگہ چھپر ڈال دیا۔ موصوف نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر وہاں آرام فرماتے اور لوگوں سے ملتے۔ کبھی کبھی وہاں دو تین روز کے لیے رک بھی جاتے۔ آہستہ آہستہ لوگوں نے وہاں خانقاہ بنائی اور حضرت نظام الدین اولیاؒ کے مریدوں نے انھیں زبردستی مسند پر بٹھا دیا[۵۸]۔ یہ ۷۲۴ھ (۱۳۲۴ء) کا واقعہ ہے۔ خانقاہ میں قیام کے بعد انھوں نے عوام کی رشد و ہدایت اور تصوف کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور چھپن برس تک یہ ہنگامہ جاری رکھا۔ مخدوم صاحب ۶ شوال ۷۸۲ھ (۵ جنوری ۱۳۸۱ء) کو ۱۰۸ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اگلے روز مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانیؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

مخدوم صاحب کے مریدوں اور خلفا کی تعداد کافی ہے۔ ان کے مریدوں نے ان کے ملفوظات کے کئی مجموعے مختلف عنوانات کے تحت مرتب کیے ہیں، جن سے اس دور کے رسم و رواج، تہذیب و تمدن، خانقاہی زندگی اور عوام کے رجحانات پر روشنی پڑتی ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ ملفوظات، جو "خوانِ پُرنعمت"

---

۵۶ بہیا (BIHIYA) آرہ سے بکسر کی طرف جاتے ہوئے آرہ سے اکیس کلو میٹر کے فاصلے پر ای آئی ریلوے کا اسٹیشن ہے۔

۵۷ ابوالحسن علی ندوی - تاریخ دعوت و عزیمت، ج ۳، ص ۱۹۹ ۵۸ ایضاً

کے نام سے مشہور ہے حضرت کے ایک مرید زین بدر عربی نے مرتب کیا ہے۔ فاضل مرتب یمن کے رہنے والے تھے لیکن ان کی زندگی اپنے مرشد کے آستانے پر ہی گزر گئی۔

ما نقد عمر صرف رہ یار کردہ ایم   کارے کہ کردہ ایم ہمیں کار کردہ ایم

"خوان پُر نعمت" کے علاوہ زین بدر عربی نے "معدن المعانی" کے عنوان سے بھی مخدوم صاحب کے ملفوظات جمع کیے تھے، جو مطبع اشرف الاخبار بہار شریف سے ۱۸۸۴ء میں طبع ہو چکے ہیں، لیکن اب اس کے مطبوعہ نسخے بھی کم یاب ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنے مرشد کے مکاتیب بھی جمع کیے تھے۔ مخدوم صاحب اپنے وقت کے مجدد تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ان کے تجدیدی کارناموں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا تمام تر کارنامہ یہی نہیں ہے کہ انھوں نے ہندوستان کے باشندوں کو خدا کا راستہ دکھایا، معرفتِ الٰہی اور تعلق مع اللہ کی ضرورت و اہمیت دل نشین کی، ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دلوں میں عشقِ الٰہی اور خدا طلبی کی حرارت پیدا کر دی اور سلوک و معرفت کے اسرار و نکات اور لطیف و بلند علوم کا اظہار فرمایا بلکہ بعض دوسرے مصلحینِ امت اور محققین کی طرح ان کا یہ بھی عظیم کارنامہ ہے کہ انھوں نے بر وقت دین کی حفاظت کا فرض انجام دیا، مسلمانوں کے دین و ایمان کو غالی صوفیوں کی بے اعتدالی، ملحدین کی تحریفات اور باطنیت و زندقہ کے اثرات سے محفوظ رکھا اور ان مغالطوں کا پردہ چاک کیا جو بااعتقاد صوفیوں، جاہل مشائخ اور فلسفہ و باطنیت سے متاثر اشراقیین کی دعوت سے ہندوستان جیسے دور افتادہ ملک میں، جہاں اسلام بہت چکر کاٹ کر پہنچا تھا، اور جہاں کتاب و سنت سے براہِ راست واقفیت پیدا کرنے کے وسائل شروع سے کمزور اور محدود رہے ہیں، سحر کا اثر رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے مکتوبات میں ان سب عقاید و خیالات پر ضرب کاری لگائی، جس کے پردے میں یہاں الحاد و زندقہ پھیل رہا تھا اور اسلامی عقاید متزلزل ہو رہے تھے اور اسلام کے عقاید صحیحہ اور اہلِ سنت کے مسلک کی نہایت مؤثر و طاقت ور وکالت اور تبلیغ کی۔"[۵۹]

---

۵۹ سید ابوالحسن علی ندوی - تاریخ دعوت و عزیمت، جلد ۳، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۳ء، ص ۹-۲۹۸

ملفوظات

"خوانِ پُرنعمت" کے آغاز میں زین بدرعربی نے "معدن المعانی" مرتب کرنے کا ذکر کیا ہے[10]۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "معدن المعانی" خوانِ پُرنعمت" سے پہلے مرتب ہوئی۔ خوانِ پُرنعمت میں ۱۵ شعبان ۷۴۹ھ سے لے کر شوال ۷۵۱ھ تک کے ملفوظات درج ہیں۔ اس مجموعے میں کل ۷۰ مجالس کے ملفوظات ہیں۔ مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ کوئی ولی بے علم نہیں ہوتا، اگر کسی بے علم کو ولی بنایا گیا تو پہلے اسے علم دیا گیا، پھر اسے ولایت ملی[11]۔

جامع ملفوظات نے ایک موقع پر نمازِ معکوس کا ذکر کیا ہے[12]۔ اخبار الاخیار میں مرقوم ہے کہ بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ نے اُچ کی مسجد حاج کے کنوئیں میں چالیس راتیں الٹے لٹک کر چلہ کاٹا تھا۔ مسجد کا خادم نمازِ عشا کے بعد بابا صاحب کو کنوئیں میں لٹکا دیتا تھا اور فجر کی نماز سے پہلے باہر نکال لیتا تھا[13]۔ مخدوم صاحب نے خدا جانے بغیر سند کے یہ کیسے کہہ دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (معاذاللہ) کئی بار نمازِ معکوس ادا کی تھی[14]۔ معدن المعانی میں مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ بعض صوفی سر کے بل کھڑے ہو کر قرآن مجید ختم کرتے ہیں۔ اس طریقے کو "کاچک" کہتے ہیں اور صوفیوں نے یہ طریقہ جوگیوں سے اخذ کیا ہے[15]۔ کاش موصوف یہی بات نمازِ معکوس کے بارے میں بھی لکھ دیتے۔

مخدوم صاحب جس زمانے میں سنارگاؤں میں مقیم تھے، ان دنوں لوگوں نے چونا بکثرت کھانا شروع کر دیا۔ مذہبی طبقوں میں اس کے خلاف ایک شور مچ گیا۔ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ چونا صدف کے اجزا سے بنتا ہے اور صدف حشراتِ بحر میں سے ہے اور حشراتِ بحر کی شریعت میں حرمت آئی ہے، اس لیے اس کا استعمال حرام ہے۔ چند سمجھ دار لوگوں نے مفتیوں کی طرف رجوع کیا تو انھوں نے کہا کہ

---

[10] خوانِ پُرنعمت، مطبوعہ پٹنہ ۱۳۲۱ھ، ص ۲

[11] ایضاً، ص ۶ [12] ایضاً، ص ۷

[13] شیخ عبدالحق محدث، اخبار الاخیار، مطبوعہ دہلی ۱۳۳۲ھ، ص ۵۳

[14] خوانِ پُرنعمت، ص ۷

[15] زین بدرعربی، معدن المعانی، مطبوعہ مطبع شرف الاخبار، بہار ۱۸۸۴ء، ص ۱۱۸

ہزاروں لوگ چونا کھا رہے ہیں، اس لیے اگر وہ اسے حرام کہیں تو ہزاروں لوگوں کو حرام خور کہنا پڑے گا اور لوگ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ اس لیے کسی مفتی نے بھی اس کی حرمت کا فتویٰ نہ دیا۔ مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ لوگوں کو دشواری میں نہ ڈالا جائے،[16] اس لیے فقہا نے فتویٰ دینے سے احتراز کیا۔

کسی شخص نے مخدوم صاحب سے سوال کیا کہ نماز میں خشوع و خضوع کی حد کیا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ خضوع اور خشوع کے ایک ہی معنی ہیں۔ جہاں تک حد کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ بہ ظاہر ہر عضو کو شریعت کے حکم کے مطابق اپنی جگہ پر رکھے اور اپنے دل میں یہ خیال رکھے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کے ظاہری اور باطنی احوال و افعال سے واقف ہے[17]

مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ ایک درویش ملتان میں ایک مدت تک حضرت صدر الدین عارف کی خانقاہ میں مقیم رہا۔ ایک روز اس نے حضرت عارف سے کہا کہ وہ دہلی کے مشائخ کی زیارت کرنا چاہتا ہے اس لیے اُسے وہاں جانے کی اجازت دیں۔ حضرت نے اسے بہ خوشی رخصت کیا۔ اس درویش نے ایک رات بمشکل دہلی میں گزاری اور ملتان لوٹ آیا۔ حضرت عارف نے اتنی جلدی واپس آنے کا سبب پوچھا تو اس نے وہاں کے مشائخ کے بارے میں کہا:

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى[18]

جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ ایک روز ممتن ملتانی مخدوم صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ کسی نے مخدوم صاحب سے کہا کہ وہ مسلمانوں کے بڑے کام کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا، بہت اچھا۔ بہت ہی خوب۔ سو نمازوں اور سو روزوں کا اتنا اجر نہیں ملتا جتنا اجر ایک مومن کا کام کرنے سے ملتا ہے۔ مسلمانوں کے کام انجام دینا اور مخلوق خدا کی خدمت کرنی سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہ پیغمبروں کا شیوہ ہے، وہ لوگوں کے کام آتے تھے اور ان کی بلائیں اپنے سر لیا کرتے تھے[19]

---

[16] خوانِ پُر نعمت، ص ۱۴ [17] ایضاً، ص ۲۶

[18] سورۂ حشر، آیت نمبر ۱۴۔ ترجمہ "تو جانے کہ وہ اکٹھے ہیں اور ان کے دل پھوٹ رہے ہیں۔"

[19] خوانِ پُر نعمت، ص ۳۹-۴۰

ایک زمانے میں لوگ مخدوم صاحب سے سفارشی خط لکھوا کر حکام کے پاس لے جایا کرتے تھے۔ آپ ان کے لیے سفارشی خط لکھتے لکھتے تنگ آ گئے۔ ایک روز شیخ زادہ چشتی ان کے پاس بیٹھے یہ ماجرا دیکھ رہے تھے۔ مخدوم صاحب نے ان سے کہا کہ اب وہ اس کام سے تنگ آ گئے ہیں۔ شیخ زادہ نے کہا تنگ آئیں یا تھک جائیں، لوگوں کی بلائیں اپنے سر لیا کریں۔[۲۰]

بعض سلاسلِ تصوف کے مشائخ بادشاہوں کے ہاں جانا بڑا معیوب سمجھتے تھے۔ اس ضمن میں مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ مشائخ بلا طلب کسی بادشاہ کے ہاں نہیں جاتے لیکن وہ کسی مسلمان بھائی کا کام کرنا اہم ترین کام سمجھتے ہیں۔[۲۱]

مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ کسی چیز پر عقیدہ رکھنے کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہے، محض شک و شبہ یا قیاس پر عقیدے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اسی طرح خبرِ واحد پر بھی عقیدہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم اگر خبرِ واحد تواتر کی حد تک ہو تو پھر اس پر یقین کرنا چاہیے۔ عذاب و راحتِ قبر کے بارے میں کسی کے استفسار پر انھوں نے فرمایا کہ یہ خبرِ واحد سے ثابت ہے۔[۲۲] مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو سانپ ڈس لے تو یہ آیت پڑھ کر تین بار پانی پر دم کریں اور مار گزیدہ کو پلا دیں۔

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقفہ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝[۲۳]

مخدوم صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ سے تین اہم مسئلے حل ہوئے: (۱) اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو مالِ غنیمت کے احکام کیا ہوں گے؟ (۲) بغاوت کے احکام (۳) طرفین کے مقتولین کے احکام۔

مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ اسی طرح نمازِ جمعہ اور خطبے کے احکام بھی اسی جنگ سے واضح ہوئے

۲۰۔ خوانِ پُر نعمت، ص ۴۰

۲۱۔ ایضاً، ص ۴۱ ۲۲۔ ایضاً، ص ۵۰

۲۳۔ سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۹ تا ۲۱

ہیں ۔ مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ جنگِ صفین کا ایک راز یہ بھی تھا کہ مسائل سامنے آئیں اور صحابہ کرام ان کا حل تلاش کریں ۔ مخدوم صاحب ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کا برابر احترام کرتے تھے[۲۴]

مخدوم صاحب نے ایک بار امیر فاضل بلخی کو قرآن حکیم کی تفسیر بیان کرتے ہوئے سنا تھا ۔ اسی روز سے موصوف علمائے بلخ کی علمیت کے قائل ہو گئے ۔ آپ فرماتے ہیں کہ علمائے بلخ تفسیر و حدیث خوب بیان کرتے ہیں اور وہ بڑے ثقہ محدث اور مفسر ہوتے ہیں[۲۵]

مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ مشائخ نے تصوف کے موضوع پر جتنی کتابیں لکھی ہیں ان میں قوت القلوب سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے ۔ تمام مشائخ اس کتاب پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ کتاب بڑی مقبول ہے ۔ قوت القلوب کا مصنف ابو طالب مکیؒ بڑا بزرگ اور عقل مند شخص تھا ۔ اس کے زمانے میں اور عہدِ رسالت میں زیادہ بُعد نہیں تھا ، اس لیے سبھی مشائخ اس پر اعتماد کرتے ہیں[۲۶]

مخدوم صاحب کے زمانے میں مشائخ چشت کے ملفوظات کے بعض جعلی مجموعے عوام میں متداول تھے ۔ انھوں نے خواجہ عثمان ہرونیؒ کے ملفوظات کا ذکر کیا ہے جن کی تدوین خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی طرف منسوب ہے ۔ اس کا ایک فقرہ مخدوم صاحب کو بڑا پسند آیا تھا ۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس مجموعہ ملفوظات میں مرقوم ہے کہ حضرت عثمان ہرونی نے خواجہ اجمیریؒ سے پہلے ہی دن یہ کہا ، "من ترا بخدای تعالیٰ رسانیدم"[۲۷]

ایک مجلس میں مخدوم صاحب نے فقہ کا ایک دلچسپ مسئلہ بیان فرمایا ۔ چوری کی رقم کے بارے میں حضرت فرماتے ہیں کہ اگر کوئی چور قصاب سے دس جیتل کا گوشت لے اور پھر رقم ادا کرے تو اس صورت میں گوشت حرام نہ ہوگا ۔ اگر پہلے قصاب کو رقم دے اور پھر اس سے گوشت طلب کرے تو اس صورت میں گوشت حرام ہوگا ۔ حاضرینِ مجلس میں سے حسام الدین کو یہ مسئلہ سمجھ نہ آیا تو اس نے حضرت سے مزید وضاحت چاہی ۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ مال لے کر اس کی قیمت دینی واجب ہے ۔ چور چونکہ پہلے گوشت لیتا ہے اس لیے اس کی قیمت دینی اس پر لازم ہو جاتی ہے ۔ اگر وہ پہلے رقم دے ، پھر گوشت لے تو اس صورت میں مسئلے کی نوعیت بدل جائے گی[۲۸]

---

۲۴ ؎ خوانِ پُر نعمت ، ص ۶۵

۲۵ ؎ ایضاً ، ص ۷۶

۲۶ ؎ ایضاً ، ص ۸۵

۲۷ ؎ ایضاً ، ص ۸۸

۲۸ ؎ ایضاً ، ص ۹۶

خوان پُر نعمت کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ لوگ نیا چاند دیکھ کر حضرت کو مبارک باد
دینے آیا کرتے تھے۔

ایک روز مخدوم صاحب نے قاضی سراج الدین سے تفسیر کبیر مطالعہ کے لیے مستعار لی۔ اس کی
پہلی جلد پڑھ کر ہی ان کی طبیعت اچاٹ ہوگئی اور انھوں نے تفسیر واپس لوٹا دی۔ کسی کے استفسار پر
حضرت نے فرمایا کہ اس میں دلائل بہت ہیں۔ امام رازی پہلے خود اعتراض کرتے ہیں اور پھر خود ہی اس کا
جواب دیتے ہیں۔ انھیں ایسی بحثیں ناگوار گزرتی ہیں اسی لیے اس تفسیر کا مطالعہ ترک کر دیا۔[۲۹] اس موقع پر
مخدوم صاحب نے تفسیر زاہدی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں دین کے ضروری مسائل مل جاتے
ہیں۔ امام زاہد نے دورانِ تصنیف کوئی مسئلہ بیان کرنے میں نہ ہی اختصار سے کام لیا ہے اور نہ ہی غیر ضروری
تفصیل دینا مناسب سمجھی ہے، جسے پڑھ کر ملال ہو۔ تمام ضروری مسائل اس تفسیر میں موجود ہیں۔ حضرت
فرماتے ہیں کہ مولانا شمس الدین یحییٰ کو جب کسی آیت کی شرح دیکھنی ہوتی تھی تو وہ تفسیر زاہدی کی طرف رجوع
کیا کرتے تھے، حالاں کہ ان کے پاس قرآن حکیم کی کئی تفسیریں موجود تھیں۔ تفسیر زاہدی کی ایک خوبی یہ بھی
ہے کہ فارسی زبان میں ہے۔ حضرت مخدوم نے ایک بار مولانا شمس الدین یحییٰ سے یہ سوال کیا کہ وہ اس
تفسیر پر اتنا زور کیوں دیتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا :

"در تفسیر ہای عربی فصاحت بسیار است و بلاغت بیحد و معانی بے شمار۔ اما این لذت و شیرینی کہ
درین تفسیر پارسی است در ہیچ تفسیرے نیافتم۔"[۳۰]

راقم السطور نے سلاطینِ دہلی کے عہد میں مرتب ہونے والے بہت سے ملفوظات کا مطالعہ کیا ہے۔
شاید ہی ملفوظات کا کوئی مجموعہ ہوگا جس میں تفسیر زاہدی کا ذکر نہ آیا ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرونِ
وسطیٰ میں صوفیوں کے حلقوں میں یہ تفسیر بڑی مقبول تھی۔

دہلی میں مولانا علاء الدین جون پوری نام کے ایک صحیح النسب سید رہتے تھے۔ وہ بڑے عالم و
فاضل تھے۔ ان کا زیادہ تر وقت درس و تدریس میں گزرتا تھا۔ وہ ہفتے کے مختلف دنوں میں تفسیر،
حدیث، فقہ، نحو، منطق اور اصول وغیرہ کا درس دیا کرتے تھے۔ جس زمانے میں وہ دہلی میں رہتے تھے،

۲۹؎ خوان پُر نعمت، ص ۹۷ ۳۰؎ ایضاً، ص ۹۸

ا زمانے میں شہر میں منادی ہوا کرتی تھی کہ تمام علماو مشائخ شاہی محل میں حاضر ہوں۔ منادی سن کر
ھی علماو مشائخ محل کی جانب چل پڑتے تھے، لیکن مولانا علاء الدین نہ جاتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ
ہو سو ہو، وہ ہرگز شاہی محل میں نہ جائیں گے[۳۱] یہ بزرگ شیخ نجیب الدین فردوسی کے بہنوئی تھے اور
خ موصوف نے ان سے تفسیر و حدیث کا درس لیا تھا۔ مزید برآں حضرت نظام الدین اولیاؒ اور سید علاء الدینؒ
ے ایک ہی استاد سید شرف الدین سے حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار پڑھی تھی[۳۲]

مخدوم صاحب سے روایت ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا کا یہ معمول تھا کہ وہ کبھی بھی اپنے استاد
ے پاس خالی ہاتھ نہ جاتے، خواہ دن میں پانچ بار جانے کا اتفاق ہوتا۔ سید شرف الدین نے ان کے
ق میں دعائے خیر کی تھی[۳۳]

ایک روز حاضرین مجلس میں سے کسی نے سوال کیا کہ "اشراق" کسے کہتے ہیں۔ مخدوم صاحب
نے جواب میں ارشاد فرمایا: "اطلاع بر غما بر یعنی آنچہ در ضمیر کسی گزرد ایشاں را بدان اطلاع یافتند"[۳۴]

ایک بار حضرت مخدوم صاحب کی محفل میں شیخ نجیب الدین فردوسیؒ کے بھانجے سید اوحد الدین
نے اذان میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سن کر انگوٹھے چومنے کے بارے میں سوال کیا،
تو حضرت نے فرمایا کہ اس علاقے میں حدیث کی جتنی کتابیں دستیاب ہیں، انھوں نے سب دیکھ ڈالی
ہیں لیکن ان میں ایسی کوئی حدیث نہیں ملی جس سے انگوٹھے چومنے کا جواز ملتا[۳۵] معدن المعانی میں بھی یہ
مسئلہ مذکور ہے۔ اس وقت بھی مخدوم صاحب نے یہی جواب دیا تھا کہ حدیث کی کسی مستند کتاب سے
اس فعل کا جواز نہیں ملتا۔ شیخ ضیاء الدین سنامیؒ انگوٹھے چومنے کے قائل تھے لیکن وہ بھی یہی کہا کرتے تھے
کہ حدیث اس بارے میں خاموش ہے[۳۶]

---

۳۱ خوانِ پُر نعمت، ص ۱۰۳

۳۲ ایضاً، ص ۱۰۴ ۳۳ ایضاً، ص ۱۰۶

۳۴ ایضاً، ص ۱۱۱ ۳۵ ایضاً، ص ۸۰

۳۶ زین بدر عربی، معدن المعانی، ص ۱۱۷